امیر ؔمینائی کی غیر مطبوعہ رباعیات

صدف تبسم*

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی "چار سے مرکب یا چار حرفی لفظ" کے ہیں۔[۱] شاعری کی اصطلاح میں رباعی وہ صنفِ سخن ہے جس میں ایک مخصوص بحر اور وزن میں خیال کو چار مصرعوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے بحرِ ہزج کے چوبیس (۲۴) اوزان مقرر کر دیے گئے ہیں[۲]۔ یعنی یہ وہ صنفِ سخن ہے جس میں مقررہ اوزان، خیال کی وحدت اور تسلسلِ بیان کی پابندی ضروری قرار دی گئی ہے۔ غزل کی طرح رباعی بھی مردّف اور غیر مردّف ہو سکتی ہے خواہ صرف قافیہ لائیں یا قافیہ ردیف دونوں[۳] رباعی میں وزن کی تخصیص کے ساتھ قوافی کی ترتیب کا بھی ایک مخصوص نظام ہے۔[۴] اردو اور فارسی کے بیشتر علمائے فن اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیے کا التزام ضروری ہے۔ اگر تیسرے مصرعے میں بھی قافیہ استعمال کیا جائے تو عیب نہیں بلکہ مستحسن ہے۔[۵]

رباعی کے چار مصرعوں میں خیال کے ارتقا اور تسلسلِ بیان کے حوالے سے ایک خاص ربط ہوتا ہے جو رباعی کو ایک اکائی کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ پہلے مصرعے میں مناسب الفاظ میں خیال کی ابتدا یا تمہید باندھی جاتی ہے، دوسرے اور تیسرے مصرعے میں اس کے خدو خال نمایاں کیے جائیں اور چوتھے مصرعے میں خیال کو ایسی برجستگی اور عمدگی سے مکمل کیا جائے کہ سننے والا اس کے سحر میں گرفتار ہو کر ششدر رہ جائے۔[۶] فرمان فتح پوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

> رباعی کے پہلے تین مصرعے، رباعی کے مجموعی شاعرانہ حسن و اثر کے لیے ایک ایسی لطیف اور سادہ فضا تیار کرتے ہیں جس سے سامع اکثر بے خبر رہتا ہے۔ لیکن یہی سادہ و پُر کار فضا جب چوتھے مصرعے میں ڈرامائی انداز میں سامنے آتی ہے تو بڑی جرات آزما بن جاتی ہے۔[۷]

رباعی چوں کہ ایک مختصر صنفِ سخن ہے اس لیے اس میں شاعرانہ کمال کے ساتھ موضوع کی مطابقت اور اسلوبِ بیان خاص اہمیت رکھتا ہے رباعی کا موضوع ایک خاص فلسفے اور فکر کا متقاضی ہوتا ہے جس میں وحدتِ تاثر ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ ایک کامیاب رباعی کا راز بھی اس کی فکری وحدت میں پوشیدہ ہے جہاں چاروں مصرعوں

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی۔

میں کوئی کھنچاؤ یا ڈھیلا پن آیا وہیں رباعی بے جان ہو جاتی ہے۔[۸] اگر فنی پابندیوں کے ساتھ زبان کی صحت، سلاست، روانی اور بلاغت کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اچھی رباعی وجود میں نہیں آتی۔ رباعی کا وزن جو اسے دیگر چار مصراعی اصنافِ سخن (قطعہ، دوبیتی) سے ممتاز کرتا ہے در اصل بحرِ ہزج سالم سے نکالے ہوئے حسبِ ذیل دس ارکان ہیں:

بحرِ ہزج سالم: مفاعیلُن مفاعیلُن مفاعیلُن مفاعیلُن

مفاعی لن (سالم)

مفاعلن (مقبوض)

مفاعیلُ (مکفوف) لام کے پیش کے ساتھ

مفعولن (اخرم)

مفعول (اخرب)

فعول (اتہم) لام کے وقف کے ساتھ

فاعلن (اشتر)

فعل (مجبوب) لام کت سکون کے ساتھ

فاع (ازل)

فع (ابتر)[۹]

بیش تر علمائے عروض رباعی کے حوالے سے اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی کا مصرع چار رکنی ہوتا ہے۔ اور ہر مصرعے میں ان ہی دس ارکان میں سے کوئی سے چار ضرور آئیں گے۔ اس لیے کہ رباعی میں "بحرِ ہزج مثمن اخرب و اخرم" کے چوبیس اوزان کے سوا کوئی اور وزن نہیں آتا۔[۱۰] یہی وجہ ہے کہ دو قطعہ بند شعروں کو رباعی نہیں کہا جا سکتا جو ان اوزان کے علاوہ کسی اور وزن میں ہوں۔ صاحب بحر الفصاحت کہتے ہیں:

> الحاصل اس بحر کا نام بحرِ رباعی ہے کیوں کہ اس بحر کے سوا اور کسی بحر میں رباعی نہیں کہی جا سکتی۔ پس جو لوگ ناواقف نہیں ہیں وہ عوام کی طرح وہ عوام کی طرح ہر وزن کو رباعی نہ کہہ سکیں گے۔[۱۱]

اردو کی دوسری اصنافِ سخن مثلاً قصیدہ، مثنوی اور غزل کی طرح رباعی بھی فارسی سے اردو میں آئی اور تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اردو شاعری کے بالکل ابتدائی دور میں بھی رباعیات کہی جاتی رہیں۔ چناں چہ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) کے کلیات میں متعدد رباعیات موجود ہیں۔[۱۲]

ولیؔ اور سراجؔ کے ہاں بھی ہمیں رباعیات نظر آتی ہیں اور یہ سلسلہ بتدریج ارتقا کرتا ہوا میر دردؔ، میر تقی میرؔ، سوداؔ اور میر حسنؔ کے علاوہ ان کے تلامذہ اور دوسرے غیر معروف شعرا کے یہاں بھی ملتا ہے۔ اہلِ لکھنؤ میں میر انیسؔ اور دبیرؔ نے فنِ رباعی کو فکر و فن کی بلندی عطا کی۔ دہلی میں اگرچہ غالبؔ، مومنؔ، شیفتہؔ اور ذوقؔ جیسے صاحبِ کمال موجود تھے لیکن مومنؔ اور ذوقؔ کے سوا کسی نے رباعی کی طرف خاص توجہ نہیں دی۔ [۱۳]

انیسویں صدی کے نصف آخر میں دیگر شعراء کے ساتھ امیرؔ احمد امیرؔ مینائی (۱۸۲۹ء تا ۱۹۰۰ء) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ایک معروف شاعر، نثر نگار اور لغت نویس تھے۔ انھوں نے شاعری کی بیش تر اصناف میں طبع آزمائی کی جن میں نعت، غزل، قصیدہ، مثنوی، سلام، سہرے، کہ مکرنیاں، واسوخت، رباعی اور دیگر شامل ہیں۔ وہ ایک قادر الکلام اور کثیر الجہت شاعر تھے ان کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ [۱۴] اس کے باوجود اچھا خاصا کلام ابھی غیر مطبوعہ موجود ہے [۱۵]۔ ان ہی میں سے ایک بڑا ذخیرہ رباعیات کا ہے۔ انھوں نے دیگر اصناف کی طرح رباعی میں ابھی ادبی شان اور شاعرانہ لطافت سے کام لیا ہے۔ ان کے نعتیہ دیوان محامدِ خاتم النبیین [۱۶] میں اُنیس (۱۹) رباعیات درج ہیں جب کہ ان کے دیوان مراۃ الغیب [۱۷] میں تیس (۳۰) رباعیات شامل کی گئی ہیں۔ ان رباعیات کے علاوہ ایسی رباعیات بھی ہیں جو ان کے مجموعہ ہائے کلام میں تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کے شاگردوں کی تحریر کردہ سوانح عمریوں میں شامل کی گئی ہیں۔ رباعیات کی ایک بڑی تعداد جو ان کی سوانح عمریوں (سوانح امیر از جلیل مانک پوری [۱۸]، سیرتِ امیرؔ مینائی از ممتاز علی آہ [۱۹]، امیرؔ اور ان کا تلامذہ از کریم الدّین احمد [۲۰]، صہبائے مینائی از آفتاب احمد خان [۲۱] دبدبہ امیری از عبدالحکیم حکمت [۲۲]) میں موجود ہیں انھیں بھی مطبوعہ رباعیات میں شامل کیا گیا ہے۔ ان سب کے علاوہ رباعیات کا ایک غیر مطبوعہ ذخیرہ ان کے پوتے جناب اسرائیل احمد مینائی (۱۹۲۰ء تا ۲۰۲۲ء) کی ملکیت تھا۔ جو ان کے انتقال کے بعد اب ان کے صاحب زادے علی مینائی [۲۳] کی ملکیت ہے۔ امیرؔ کی غیر مطبوعہ رباعیات کے عکس راقمہ نے اسرائیل صاحب کی زندگی میں ان سے حاصل کیے تھے جن پر ایک مبسوط تحقیقی کام جاری ہے۔

امیرؔ کی مطبوعہ رباعیات میں زیادہ تر رباعیات عاشقانہ اور نعتیہ ہیں، کچھ مدح اور تہنیت میں بھی ہیں۔ جس طرح ان کا کلام ان کی شخصیت اور ان کے زمانے کا آئینہ دار ہے بالکل اسی طرح ان کی رباعیات میں بھی جابجا غمِ دوراں کے مسائل اور کیفیات نظر آتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلابِ زمانہ میں امیرؔ اپنے مکان کو مقفّل کر کے لکھنؤ سے چلے گئے تھے

جب امن و امان ہوا اور واپس آئے تو دیکھا کہ جہاں مینائیوں کا محلہ آباد تھا اب وہاں صرف کھنڈر رہ گئے ہیں"[۲۴]۔ امیرؔ نے اپنے گھر کی تباہی کا نقشہ اس رباعی میں کیا خوب کھینچا ہے۔

گھر کھُدنے کی پوچھو نہ مصیبت ہم سے
روتی ہے لپٹ لپٹ کے حسرت ہم سے
یا ہم جاتے تھے گھر سے رخصت ہوکر
یا گھر ہوتا ہے آج رخصت ہم سے [۲۵]

امیرؔ نے داخلی کیفیات کے ساتھ خارجی دنیا کا مطالعہ و مشاہدہ بھی خوب کیا ہے۔ اور بیان و بدیع میں نادر تشبیہات و استعارات کے استعمال سے رباعیات میں حسن پیدا کیا ہے۔ امیرؔ کی چند غیر مطبوعہ رباعیات زیرِ نظر مقالے کا حصہ ہیں۔ ہمیں امیرؔ کی رباعیات کے تین غیر مطبوعہ نسخے حاصل ہوئے۔ پہلے اور دوسرے نسخے میں جو رباعیات ہیں ان کا عکس دو مختلف بیاضوں سے لیا گیا ہے۔ اور دونوں مختلف کاتبوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں۔ نہ ہی ان پر کسی کاتب کا نام تحریر ہے اور نہ ہی تاریخ اور سن (ســـہ) وغیرہ۔ ہم نے وضاحت کی خاطر اس مقالے میں نسخوں کو "نسخہ الف" اور " نسخہ ب" کا نام دیا ہے۔۔ تیسرا نسخہ ہمیں کچھ کاغذات کی صورت میں حاصل ہوا ہے اس میں دو طرح کی رباعیات شامل ہیں اوّل تو کچھ رباعیات وہ ہیں جو نسخہ الف اور ب میں موجود ہیں دوم کچھ غیر مطبوعہ رباعیات ایسی بھی ہیں جو ہمیں اوّل الذکر نسخوں میں یا مطبوعہ رباعیات میں نہیں ملیں۔ ان کاغذات کو "نسخہ ج" کا نام دیا گیا ہے۔ رباعیات کو تحریر کرتے وقت اختلافِ نسخ کا خیال رکھا گیا ہے۔ ان تینوں نسخوں میں کہیں کاتب کا نام تحریر نہیں ہے اور نہ ہی یہ امیرؔ کی اپنی تحریر ہے۔ رباعیات پر کوئی عنوان بھی موجود نہیں۔ نسخہ الف اور نسخہ ب میں درج رباعیات قدیم املا میں تحریر کی گئی ہیں جس میں ہاے ہوز اور ہاے مخلوط کا فرق نہیں ملتا، اسی طرح یاے مجہول اور یاے معروف میں بھی امتیاز نہیں کیا گیا، کاف اور گاف پر ایک ہی مرکز ملتا ہے۔ اس کے علاوہ لفظوں کو جوڑ کر لکھا گیا ہے۔ نسخہ ج قدرے بعد کی نقل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس میں املا کا نسبۃً جدید اور قدیم دونوں طریقے ملتے ہیں۔ تاہم راقمہ نے ان رباعیات کی تدوین کرتے ہوئے تمام تحریر کو جدید املا کے اصولوں کے مطابق تحریر کیا ہے۔

امیر مینائی کی غیر مطبوعہ رباعیات درج ذیل ہیں:

امیرؔ مینائی کی غیر مطبوعہ رباعیاں مہاراجہ کشن پرشاد[۲۶] کے نام۔

مہاراجا کشن پرشاد حضور نظام (میر محبوب علی خان، آصف جاہ) میں عیادت کے لیے آئے تھے جس کے شکریے میں امیرؔ نے کئی رباعیاں کہی تھیں۔[۲۷]

دریائے کرم کے دُرِ نایاب ہیں شاد
آصف [۲۸] ہیں جو آفتاب، مہتاب ہیں شاد
پھیلی ہوئی اخلاق کی خوشبو ہے امیرؔ
گلزارِ دکن کے گُلِ شاداب ہیں شاد

صد شکر کہ تسکین دہِ بیمار ہیں شاد
دل سوز ہیں، دل جلوں کے غمخوار ہیں شاد
کچھ ہوش نہیں خلق نوازی کے سوا
کس درجہ مئے خلق سے سرشار ہیں شاد

ہے آپ کا اخلاق جو ہمدرد مرا
رشکِ دمِ عیسیٰ ہے دمِ سرد مرا
فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری
درماں مرے حق میں ہوگیا درد مرا

ہے آپ کے اخلاق سے دل رشکِ چمن
صد شکر کہ غربت میں ملا لطفِ وطن
ہر موئے بدن زباں ہے پر ہوں خاموش
میں شکر کی تصویر بنا ہوں ہمہ تن

مشتاق کو ملنے کی تمنّا نہ ملی
غنچہ ہی رہی طبیعت اب تک نہ کھلی
امراض سے دم بھر کو نکلنے نہ دیا
گھُٹ گھُٹ کے رہی دل میں تمنائے دلی

اخلاص کا رنگ گُلِ مسرّت لائے
مقصود سے آرزو گلے مِل جائے
گنتے ہیں پڑے بستر غم پر گھڑیاں
اللہ کرے وہ شُبھ گھڑی جلد آئے

رنجور ہیں بستر پہ پڑے رہتے ہیں
پر شاد خیالِ شاد سے رہتے ہیں
سو دل سے فدا اپنے تصوّر کو امیرؔ
غیبت میں حضور کے مزے رہتے ہیں

جب تک شاہوں کے تخت اور تاج رہیں
جب تک فقراء شاہوں کے محتاج رہیں
نوبت جو بجے تو یہ صدا آئے امیرؔ
راجاؤں کے سر تاج مہاراج رہیں

در تہنیتِ عید الاضحیٰ[۲۹]

عید آئی ، میں ہوں اور درِ بادشاہ ہے
دل کو جہاں خوشی ہو وہی عید گاہ ہے
لازم ہے آج شربتِ دیدار ہو عطا
اے شاہ! روزِ عید تو روزِ گناہ ہے[۳۰]

صد شکر خدا نے یہ خوشی دکھلائی
کلفت ہوئی دُور آپ نے صحت پائی
شہرت ہوئی اس جشن کی ایسی کہ امیرؔ
عید الاضحیٰ بھی تہنیت کو آئی[۳۱]

مسند پہ وہ ماہِ فلک زیبائی
بیٹھا تو جہاں نے طرفہ رونق پائی
ہر طفل و جواں و پیر بولا یہ امیرؔ
عمرِ دولت شباب پر اب آئی [۳۲]

سرکارِ دولت مدار[۳۳] بعد صحت گھوڑے پر سوار ہوئے، فی البدیہہ یہ رباعی لکھی گئی۔

کیا تازہ زمانے کی خوشی آج ہوئی
کلفت جس دل میں تھی تاراج ہوئی

وہ شہ جو ہوا سوارِ توسن تو امیرؔ
جتنے تھے دعا گو انھیں مواّج ہوئی [۳۴]

رباعی جو صاحبزادہ محمد معصوم[۳۵] کو بروقت پہنچے، جام نگر کے خط کی پیشانی پر لکھی گئی۔[۳۶]

اے ساقیِ مست بادۂ جام نگر
دل ہے ترے دھیان گیان سے رام نگر
آکر الفِ قد سے بڑھا دے دل کو
ہو رام نگر میں شان آرام نگر[۳۷]

رباعی بروقت تشریف لے جانے حیدر آباد، عنوان خط میں لکھی گئی۔[۳۸]

ان روزوں دکن ہے شرقِ مہر علوم
اس مہر کے گھر ہے ستاروں کا ہجوم
وہ تارے ہیں خوش عقیدہ اربابِ دکن
وہ مہر ہے شاہِ دیں محمد معصوم[۳۹]

للہ یہ محتسب کو سمجھائے کوئی
اتنا بھی نہ جامے سے نکل جائے کوئی
میں بادہ پیوں شیشہ و ساغر ٹوٹیں
تقصیر کسی کی ہو سزا پائے کوئی[۴۰]

دل لے کے مرا کیا مجھے برباد کیا
خط لکھ کے نہ ایک اور بھی دل شاد کیا [۴۱]
کرتے ہی سفر بھول گئے تم ایسے
بھولے سے بھی مجھ کو نہ کبھی یاد کیا

یاں حالتِ دل ہجر میں کیا کیا نہ ہوئی

افسوس خبر یار کو اصلا نہ ہوئی
اس شمع سے لو ہم نے لگائی ناحق
پروانہ ہوا دل، اسے پروا نہ ہوئی [۴۲]

بے یار مصیبت میں گزر ہوتی ہے
کس رنج میں اوقات بسر ہوتی ہے
ہر روز ہے فرقت میں قیامت ہم پر
مر مر کے شبِ ہجر سحر ہوتی ہے [۴۳]

سیدھی نظرِ دیدۂ الطاف کرو
للّٰہ مکدّر نہ ہو دل صاف کرو
تا چند جفا ہم سے وفا داروں پر
ہم جور کے قابل! تمھی انصاف کرو [۴۴]

منہ کھُل نہ سکا حمدِ الٰہی کے لیے
گویا ہے زباں عذر خواہی کے لیے
ہیں خوف سے رونگٹے بدن پر جو کھڑے
اُٹھی ہیں یہ انگلیاں گواہی کے لیے [۴۵]

قدرت کا دکھاتی ہے تماشا تربت
ہے خُلدِ بریں کا ایک ٹکڑا تربت
خاتونِ نفیس یہاں سوتی ہیں امیرؔ
پھولوں کی بنی ہے سیج گویا تربت(۱۳۱۸ھ) [۴۶]

یوں تو رباعیاتِ امیرؔ بھی امیرؔ مینائی کی دیگر اصناف کی طرح ان کے شعری سرمایے کا حصّہ ہیں لیکن امیر کی رباعیات پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو کمال امیرؔ نے نعت، قصیدے اور غزل میں دکھایا ہے وہ رباعی میں نہیں ہے۔ امیر کی رباعی میں تسلسلِ بیان تو ہے لیکن خیال اور فکر کے جس تدریجی ارتقاء کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہیں ہے۔ موضوع کی مناسبت سے الفاظ و تراکیب کا بر محل استعمال ضرور ہے لیکن فلسفہ و فکر کی وہ بلندی جو رباعی کی جان ہے وہ مفقود ہے۔ امیرؔ چوں کہ قادر الکلام شاعر تھے اس لیے انھوں نے رباعی میں بھی وزن اور بحر کا پورا خیال رکھا ہے۔ قلمی نسخوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جہاں امیرؔ سے رباعی کا وزن خطا ہوا وہاں رباعی کو قلم زد کر کے قطعہ لکھ دیا گیا۔ ایسے کئی قطعات امیر کے غیر مطبوعہ کلام میں موجود ہیں۔ امیر کی رباعیات کا اسلوب رواں، سادہ اور برجستہ ہے۔ رباعی کے موضوعات پر نظر کی جائے تو برجستہ گوئی کا زیادہ تر کام رباعی اور قطعے سے لیا گیا ہے امیرؔ کی رباعیات میں بھی روز مرہ مسائل سے لے کر اہم امور تک نظم کیے گئے ہیں۔ صوفیانہ رنگ اور تصوف کے ساتھ ساتھ مواعظت و پند اور حکمت کو بھی کہیں کہیں جگہ مل گئی ہے۔ نوابانِ رام پور کی تہنیت سے لے کر ہر چھوٹے بڑے موقع پر امیرؔ نے رباعیات نظم کی ہیں جو ان کی برجستگی اور قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔ نہ صرف یہ کہ امیرؔ کی رباعیات ان کے عہد کی آئنہ دار ہیں بلکہ ادبی تاریخ کی اہم دستاویز بھی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، (لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۷۲ء)، ۸۰۴

۲۔ فرمان فتح پوری، اردو رباعی، (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۲۰۰۱ء)، ۴۷

۳۔ ایضاً، ۲۰

۴۔ اس کی طویل بحث مختلف کتابوں مثلاً خیام سید سلیمان ندوی ص۔ ۲۵۳ اور اردو رباعی از فرمان فتح پوری ص۔ ۲۰ پر موجود ہے۔

۵۔ فرمان فتح پوری، اردو رباعی، محولہ بالا، ۲۰

۶۔ ایضاً، ۲۱

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً، ۲۳

۹۔ ایضاً، ۴۷

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۶ء)، ۱۵۳

۱۲۔ فرمان فتح پوری، محولہ بالا، ۶۴

۱۳۔ ایضاً، ۸۱

۱۴۔ ان کی مطبوعہ تصانیف میں ۱۔ دیوانِ امیر مینائی معروف بہ مراۃ الغیب، ۲۔ محامدِ خاتم النبیین، ۳۔ صنم خانۂ عشق، ۴۔ انتخابِ یادگار، ۵۔ امیر اللغات کی تین جلدیں، ۶۔ امیر کا فارسی دیوان، ۷۔ سرمۂ بصیرت اور معیار الاغلاط، ۸۔ مکاتیبِ امیر مینائی از احسن اللہ ثاقب، ۹۔ نغمۂ قدسی شامل ہیں جن کی تفصیل ان کی چھپی ہوئی سوانح عمریوں میں اور راقمہ کے مضمون "امیر مینائی کا ایک غیر مطبوعہ قصیدہ" مشمولہ بنیاد، جلد ۱۲، ۲۰۲۱ء میں شائع کی گئی ہے۔

۱۵۔ امیرؔ کا کچھ کلام ابھی بھی غیر مطبوعہ حالت میں موجود ہے جس میں سے راقمہ نے امیرؔ مینائی کے غیر مطبوعہ قصائد پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے اور دیگر اصناف مثلاً مثنوی، تاریخ گوئی وغیرہ پر کام جاری ہے۔

۱۶۔ محامدِ خاتم النبیین امیرؔ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جس میں خیابانِ آفرینش کی نثر بھی شامل ہے یہ مجموعہ ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوا۔

۱۷۔ مراۃ الغیب امیرؔ کی شاعری کا مجموعہ ہے جس میں سات (۷) قصیدے، غزلیات اور دیگر اصناف موجود ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا۔

۱۸۔ جلیلؔ مانک پوری، سوانح امیرؔ، (مطبع: ندارد، ۱۳۴۷ھ)

۱۹۔ ممتاز علی آہؔ، سیرتِ امیرؔ مینائی، (لکھنؤ: ادبی پریس، ۱۹۴۱ء)

۲۰۔ کریم الدین احمد، امیرؔ اور ان کا تلامذہ، (لاہور: آئینہ ادب چوک مینار، ۱۹۸۲ء)

۲۱۔ آفتاب احمد خان، صہبائے مینائی، (ڈھاکہ: مکتبۂ عارفین، ندارد۔)

۲۲۔ عبدالحکیم حکمت، دبدبۂ امیریؔ، (مطبع ندارد، ۱۹۳۷ء)

۲۳۔ علی مینائی اسرائیل احمد مینائی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور امریکہ میں مقیم ہیں۔ اب کراچی میں ان کی بہن عائشہ مینائی اپنے والد کے ذخیرے کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔

۲۴۔ ممتاز علی آہؔ، محولہ بالا، ص۔ ۶۸

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ مہاراجا کشن پرشاد بہادر (جنوری ۱۸۶۴ء تا ۱۹۴۰ء)، یمین السلطنت، جی۔ سی۔ آئی۔ ای ریاست حیدر آباد کے دو بار صدر المہام (وزیرِ اعظم) رہے۔ شادؔ تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

۲۷۔ ابو محمد سحر، مطالعہ امیرؔ، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء)، ۱۱۷

۲۸۔ آصف جاہ سادس، آصف جاہی سلطنت کے آٹھویں تاجدار نظام حیدر آباد میر محبوب علی خان (عہدِ حکومت ۱۸۶۹ء تا ۱۹۱۱ء) کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ وہ "آصفؔ" تخلص کرتے تھے۔

۲۹۔ نجم الغنی رام پوری، "اخبار الصنادید، (جلد دوم، لاہور: ملک بک ڈپو، ۱۹۹۸)، ۱۸۲

۳۰۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۳۱۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۳۲۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۳۳۔ جناب نواب کلبِ علی خان(۱۸۳۲ء تا ۱۸۸۷ء) کی صحت یابی اور عید الاضحیٰ ساتھ ساتھ ہوئی۔ بعد صحت یابی نواب صاحب نے گھوڑے پر سواری کی تو امیرؔ نے فی البدیہہ یہ رباعیات کہیں۔

۳۴۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۳۵۔ میر معصوم شاہ نقشبندی۔ ان کا ذکر امیرؔ کے تذکرے انتخابِ یادگار میں صفحہ ۳۴۲اور ۳۴۳پر موجود ہے۔

۳۶۔ یہ خط جمادی الاوّل ۱۳۱۴ھ کا ہے اور حضرت شاہ معصوم نقشبندی مجدّدی کے نام ہے۔ بحوالہ: غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی،امیرؔ مینائی کے مکتوبات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ،ڈاکٹر جاوید اقبال،سندھ یونیورسٹی جامشورو۔ ۵۱

۳۷۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۳۸۔ یہ رباعی بھی میر معصوم شاہ نقشبندی کے نام ایک خط میں لکھی گئی۔ محولہ بالا

۳۹۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۴۰۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۴۱۔ یہ رباعی نسخہ اول اور دوم دونوں میں موجود ہے۔ نسخہ دوم میں دوسرا مصرع یوں ہے۔ خط لکھ کے نہ اک اور بھی دل شاد کیا۔

۴۲۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔

۴۳۔ یہ رباعی نسخہ اول اور دوم دونوں میں موجود ہے

۴۴۔ یہ رباعی نسخہ اول اور دوم دونوں میں موجود ہے، نسخہ دوم میں چوتھے مصرعے میں لفظ "تمہی" استعمال کیا گیا ہے۔

۴۵۔ یہ رباعی نسخہ اول اور دوم دونوں میں موجود ہے۔ نسخہ دوم میں چوتھا مصرع کچھ یوں ہے۔ اُٹھی ہیں یہ انگلیاں گواہی کے لیے۔

۴۶۔ یہ رباعی نسخہ اوّل سے لی گئی ہے۔۱۳۱۸ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۰۰ء، جناب عالیہ منور محل، بیگم نواب یوسف علی خان بہادر نے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔۱۳۱۸ھ جنابِ عالیہ منور محل کی تاریخ وفات ہے جو اس رباعی کے آخری مصرعے (پھولوں کی بنی ہے سیج گویا تربت) سے نکلتی ہے۔

مآخذ

آہ، ممتاز علی، منشی، سیرتِ امیر مینائی، لکھنؤ: ادبی پریس، ۱۹۴۱ء

Aah, Mumtaz Ali, Seerat-e-Ameer menai, Lakhnow: Adabi Press, 1941.

احمد، شمیم اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، بھوپال: انڈیا بک امپوریم، ۱۹۸۱ء

Ahmed, Shamim, Asnaf-e- Sukhan or sheri haiaten, Bhopal: India book Imporiam, 1981.

احمد، کریم الدین، امیر مینائی اور ان کا تلامذہ، لاہور: آئینہ ادب چوک مینار، ۱۹۸۲ء

Ahmed, Karim-uddin, Ameer Menai or un ka Talamza, Lahore: Aaina-e-Adab chowk menar, 1982

اقبال، جاوید، ڈاکٹر، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، امیرؔ مینائی کے مکتوبات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، سندھ یونیورسٹی جامشورو، ۲۰۰۲ء

Iqbal, Jawed,Dr, Unpublished Thesis for Ph.D, Ameer menai ke maktoobat ka tehqiqi –o– tajziyati mutalea, Sindh University Jamshoro, 2002.

بیگم، سیدہ زہرا، ڈاکٹر، مختصر تاریخِ اردو ادب اور اصنافِ شاعری، حیدر آباد، انڈیا: بوستان اشہر، ۲۰۰۵ء

Begam, Syeda Zehra, Mukhtasir Tareekh-e-adab or Asnaf-e-shairi. Hedar abad India: Bostan Ashhar, 2005.

تبسّم، صدف، امیر مینائی بحیثیت قصیدہ گو غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (شعبۂ اردو، جامعہ کراچی)، ۲۰۱۶ء

Tabassum, sadaf, Un published Thesis for Ph.D, Ameer Menai bahesiyat qaseeda go, Department of Urdu, University of Karachi. 2016.

حکمت، عبدالحکیم، دبدبۂ امیریؔ، (مطبع ندارد)، ۱۹۳۷ء

Hikmat, Abdul Hakim, Dabdaba-e-Ameeri, No Publisher, 1937

خان، آفتاب احمد، صہبائے مینائی، (ڈھاکہ: مکتبۂ عارفین) سنہ ندارد۔

Khan, Aftab Ahmed, Sehba-e-Meenai, Dhaka: Maktab-e-Arfeen. No year

سحر، ابو محمد، مطالعۂ امیرؔ، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء

Sahar, Abu Muhammad, Mutala-e-ameer, Lkhnow: Naseem Book depot, 1965.

سرہندی، وارث، علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۷۶ء

Sarhindi, Waris, Ilmi Urdu Lughat, Lahore: Ilmi kitab Khana, 1976.

فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، اردو شاعری کا فنی ارتقاء (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس)، ۱۹۹۴۔

Fateh Puri, Farman, Dr., Urdu shairi ka Fanni Irteqa , Delhi: Educational Publishing house, 1994.

فتح پوری، فرمان، اردو رباعی، (لاہور: مکتبۂ عالیہ)، ۲۰۰۱ء

Fateh puri, Farman, Dr. , Urdu Rubai, Lahore, Maktaba-e- aliya, 2001.

مینائی، امیرؔ، مراۃ الغیب، کراچی: ایوانِ امیر مینائی، ۲۰۰۵ء

Minai, Ameer, Mirat –ul –Gheb, Karachi: Ewan-e-ameer menai, 2005.

------محامدِ خاتم النبیین، کراچی: پیرا ماؤنٹ پبلشنگ انٹر پرائز، ۲۰۱۰ء

.... Mahamid-e-KhatamunNabiyeen, Karachi: Para mount Publishing inter prise, 2010.

------صنم خانۂ عشق، لکھنؤ: مطبع تیغ بہادر، ۱۸۹۶ء

.... Sanam Khana-e- Ishq, Lkhnow: Matba Tegh Bahadur, 1896.

------امیر اللغات جلد اول و دوم (یک جا)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء

.... Ameer –ul –Lughat, part 1,2, Lahore: sang-e-meel publications, 1989.

------امیر اللغات جلد سوم، مرتبہ: ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء

.... ameer-ul-Lughat, Part 3, edited by: Dr. Rauf Parekh, Lahor: Oriental College Punjab University, 2010.

--------مکاتیبِ امیرؔ مینائی، مرتب: احسن اللہ ثاقب، (لکھنؤ: مطبع ادبیہ، لاٹوش روڈ)، ۱۹۲۴ء

.............................., Makateeb-e- Ameer menai edited by: Ahsan Ullah Saqib, Lakhnow: Matba-e-adabiya, latosh road, 1924.

--------، انتخابِ یادگار، (لکھنؤ: تاج المطابع)، ۱۲۹۰ھ

.........................., Intekhab-e-Yadgar, Lakhnow: Taj-ul-matabe, 1290.

۔نجمی، نجم الغنی خاں، رام پوری، اخبار الصنادید، جلد دوم، لاہور: ملک بک ڈپو، ۱۹۹۸ء

Najmi, Najmul Ghani Rampuri, Akhbar-us-sanadid, part 2, Lahore: Malik book depot,1998.

نجمی، نجم الغنی خاں، رام پوری، بحر الفصاحت، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۶ء

................................., Behr-ul-Fasahat, Lakhnow: Matba nawal kishor, 1926

ندوی، سید سلیمان، خیام،

Nadwi, Sye Seleman, Khayam,

۔ورک، اشفاق احمد، اصنافِ ادب، لاہور: الفیصل پبلشرز، ۲۰۱۶ء

Virk, Ashfaq Ahmed, Asnaf-e-adab, Lahore: Al-Faisal Publishers,2016.

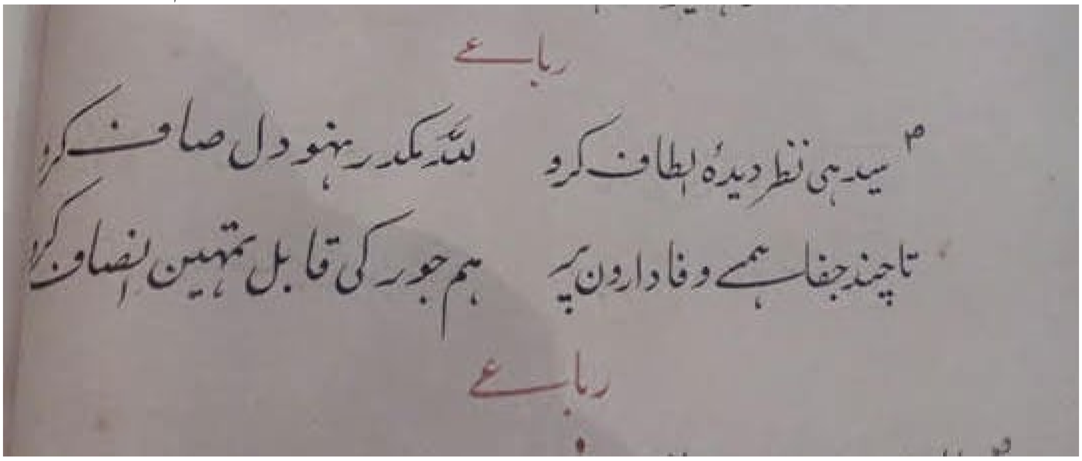

رباعی

۴ سیدھی نظر دیدۂ الطاف کرو   للہ نہ مکدر رہو دل صاف کرو
تا چند جفا ہمسے وفاداروں پر   ہم جور کے قابل ہیں انصاف کرو

رباعی

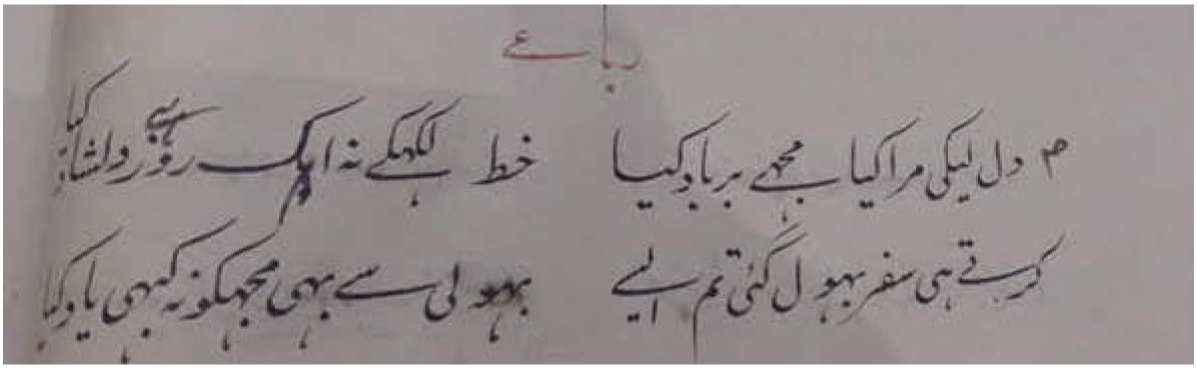

رباعی

۴ دل لیکے مرا کیا ہے مجھے برباد کیا   خط لکھکے نہ ایک روز بھی دلشاد کیا
کرتے ہی سفر بھول گئے تم ایسے   بھولے سے بھی مجھکو نہ کبھی یاد کیا

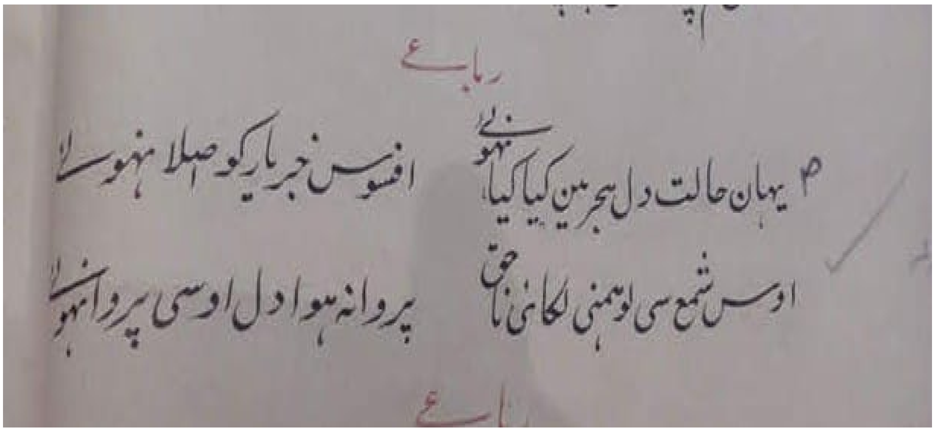

رباعی

۴ یہاں حالت دل ہجر میں کیا کیا نہوئی   افسوس خبر یار کو اصلا نہوئی
اوس شمع سی لو ہمنے لگائی ناحق   پروانہ ہوا دل اوسی پروا نہوئی

رباعی

Abstract:

The name of Ameer Ahmad Ameer Minai needs no introduction in Urdu poetry. He was known as great poet and lexicographer in the history of south Asian literature. He was born in Lucknow in 1829 according to 1244 AH. and died in 1900 according to 1318 AH. He wrote Naat, Qasida, Masnawi, Wasukht, Riddles, Sayings, Salam, Sehre, Tarkeeb-band, Tarjee-band, Qitat, Rubai and chronology, etc. are all included. There are also many rubaiat and historical sections in Amir's published speech. These types of stanzas (quatrains) are somewhat different from each other in terms of structure. In literary terms, a Quatrain (Rubai) is a poem that appears to be in a significant rhythm called Beher (Behr-e-hazaj). In this paper, those unpublished pieces (Rubaies) of Ameer Menai are included which do not fall into the category of history but have a unique position in terms of the diversity of their topics, literature, ethics and knowledge in their pieces.

Key words: Ameer Menai, Rubai, Behr-e-Hazaj, Unpublished. South Asian literature, Lakhnow، Poet.